فاطمہ حسن

حلّاج کا تصورِ عشق اور سچّل

سچل سرمست کی شاعری کا مرکزی نقطہ عشق ہے مگر اس عشق نے اپنے پھیلاؤ میں معرفت کے اتنے مضامین اور کیفیات کے اس قدر رنگ سمیٹ لیے ہیں کہ ان کے بیان کو پوری کتاب چاہیے۔ عالم اگر عارف بھی ہو اور تخلیق کی سرشاری میں جذب و مستی کی گہرائیوں سے فکر کے ارفع ترین مقام تک رسائی رکھتا ہو تو اس کا اظہار زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ اپنے قاری کو معنی و مضامین کے ایسے حیرت کدے میں داخل کر دیتا ہے جہاں شاعری واقعی جزویست از پیغمبری نظر آتی ہے۔

یہاں میں منصور حلّاج کا حوالہ دوں گی۔ اُن کے دیوان میں ایک غزل کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

”جو میں جانتا ہوں، عارفوں کو اس کی معرفت حاصل ہے
وہ میرے ساتھی ہیں، کہ جو خیر کا کام کرتا ہے، ساتھی رکھتا ہے
ان کی روحیں وقت کی ابتدا ہی میں ایک دوسرے سے متعارف کروا دی گئی تھیں
پھر وہ سورج کی طرح جگمگا اُٹھیں، جب وقت مائل بہ غروب تھا“[(۱)]

ان اشعار کی معنویت پر غور کیجیے تو جزویست از پیغمبری کی تشریح بھی ہو جاتی ہے۔ عارف کی روحوں کا ایک دوسرے سے متعارف ہونا، اور وقت کے مائل بہ غروب ہونے پر سورج کی طرح جگمگا اُٹھنا، کی پیش گوئی میں منصور حلّاج اور سچل سرمست کے درمیان ۲۹۵ برس کا فاصلہ بھی معدوم ہو جاتا ہے۔

ان اشعار کے علامتی معنوں کو بھی دیکھیں تو سچل ان روحوں میں نمایاں نظر آتے ہیں جو ابتدا میں متعارف کروادی گئیں۔ دونوں کے طرزِ عمل اور فکر کی مشابہت بھی واضح ہے۔ نہ منصور حلّاج جذب و کیفیت کی سرشاری میں حالات سے بے خبر نہ ہوئے۔ نہ سچل سرمست صرف سرمستی میں مبتلا ہوئے۔

منصور حلّاج کے بارے میں ڈاکٹر سیّد نعمان الحق لکھتے ہیں:

> ...شاعروں اور صوفیہ کی دنیا میں منصور حلّاج ایک لپکتا ہوا استعارہ ہے، مگر یہ استعارہ چند تاریخی حقائق کی پائیدار اساس پر ہی تعمیر ہوا ہے۔ حلّاج کا نعرہ ''اناالحق''، ان کا سفرِ سندھ، درباری اور فرقہ بند سیاست کاروں کی ان کے خلاف تاریک سازشیں، ان کی مستیِ الست اور ۲۴/ ذوالقعدہ ۳۰۹ ہجری (۲۶/ مارچ ۹۲۲ء) کو نخلِ دار پر ان کا سفّاکانہ قتل یہ سارے امور تاریخ سے ثابت ہیں۔[۲]

اب ہم سچل سرمست کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ سندھ اور آس پاس کے خطے کی تاریخ پر بیرونی یلغار اور اندرونی خلفشار کی ایک طویل داستان ہے جو ان کے دورِ حیات میں رقم ہوئی۔ محمد موسیٰ سومرو نے اس طویل پُر آشوب دور کو مختصر پیرائے میں اس طرح سمیٹا ہے:

> سرمست نے جب آنکھ کھولی تو شاہ عنایت جھوک والے اور کھیڑو کے مخدوم کی شہادت کے جانکاہ واقعات ابھی تازہ تھے۔ مدد خان پٹھان نے سندھ پر حملہ آور ہو کر یہاں جو تباہی مچائی تھی اور کئی دن تک کشت و خون کا بازار گرم رکھا تھا۔ سچل اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ علاوہ ازیں کلہوڑا اور تالپور خاندانوں کے سرکردہ افراد کے قتل کے حادثات بھی ان کے سامنے تھے۔ انھی دنوں بعض نام نہاد ملّاؤں اور پیروں کے اشارے پر بعض حکمرانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بڑے ظلم روا رکھے تھے۔[۳]

ان حالات کا اثر سچل سرمست نے بڑی شدت سے قبول کیا اور جگہ جگہ اپنی شاعری میں اس کا اظہار کیا ہے۔ واضح رہے کہ سرمست کا لقب پانے کے باوجود اُن کی علمی، فکری اور زبان دانی کی بنیاد بہت گہری تھی۔ فلسفۂ شہود کی جانب رہنمائی میں کشف اور جذب کی منزلوں سے پہلے جن علمی اور فکری

مقامات سے وہ گزرے اُن کا سراغ اس شاعر ہفت زبان کے کلام میں جگہ جگہ ملتا ہے:

کیا ہے ملک کے لوگوں کو یوں گمراہ مذہب نے
بزرگی، پیری، شیخی اک سراسر بھول ہے ان کی
نمازیں پڑھ رہا ہے کوئی، اور مندر میں ہے کوئی
خرد والوں نے لیکن عشق کی قربت نہیں پائی

(مترجم: ڈاکٹر فاطمہ حسن)

ان ہی خیالات کا اظہار بے حد خوب صورتی سے انھوں نے اپنی فارسی مثنوی ''عشق نامہ'' میں بھی کیا ہے جس میں انھوں نے عقل اور عشق کا موازنہ کیا ہے۔ اس بے حد رواں فارسی نظم کا اردو ترجمہ شفقت تنویر مرزا نے کیا ہے:

رب نے بخشا اس کو سارا شوقِ عشق　　اس نے آدم کو دیا ہے ذوقِ عشق
عقل کا واں تک پہنچنا ہے محال　　دین و ایماں کا نہیں رہتا سوال
عشق شاہ اور عقل واں دربان ہے　　یہ سپاہی ہے تو وہ سلطان ہے
عشق ہے دریائے ناپیدا کنار　　موج اندر موج بے حد و شمار
عشق اندر کی ہے ساری آگہی　　بخش دیتا ہے گداؤں کو شہی
عقل کہتی ہے کہ ہر دم ورد کر　　عشق کہتا ہے زیاں ہے سر بسر
طاعت و تقویٰ کی باتیں عقل کی　　عشق کہتا ہے ہو رسوائی تری
عقل کہتی ہے کہ لے منہ پر نقاب　　عشق کہتا ہے کہ چھوڑو سب حجاب
عقل کہتی ہے کہ کر تسبیح نماز　　عشق بولے دار پر ہو سرفراز

عشق کے حوالے سے سچل بار بار ہماری توجہ منصور حلّاج کی طرف مبذول کرواتے ہیں کئی مقام پر تو وہ ایک جان دو قالب نظر آتے ہیں۔ سچل کی ایک بہت خوبصورت ریختہ کا مطلع ہے:

بنے مجنوں یہاں کیا کیا ہوا جب عشق طاری رہے
ہے سولی پر ازل سے عشق والوں کی سواری رہے

مشہور جرمن مستشرق این میری شمل اپنے مضمون ''اقبال پر حلّاج کا متصوفانہ اثر'' میں لکھتی ہیں:

عشق الٰہی کی وضاحت کے ضمن میں حلّاج نے لفظ ''عشق'' استعمال کیا ہے جس سے مراد حرکی عشق ہے لیکن حلّاج کے دور میں صوفیاء تک کے نزدیک اس اصطلاح یعنی ''عشق'' کے مضمرات مشتبہ تھے۔ نویں اور اوائل دسویں صدی کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے خدا اور انسان کے مابین نسبت کے اظہار کے لیے ''محبت'' تک کی اصطلاح قابل قبول نہیں تھی حالانکہ ''محبت'' عشق کا ایک جامد تصور ہے۔ جوہر الٰہی کے ضمن میں مستعمل ''عشق'' کی اصطلاح سے حلّاج کی مراد ایک ایسی فعال اور تخلیقی قوت ہے جو انسان کو خدا سے ہم کنار کرتی ہے۔ رحمتِ الٰہی کا منتہا انسان کو اس عشق میں شریک وسہیم بنانا ہے۔

عشق میں درپیش آلام و مصائب بے شمار ہیں، مثلاً اہل خاندان، دوستوں اور عام لوگوں سے جدائی اور اسی طرح آنسو، غم اور آہ وزاری وغیرہ۔ ''جاوید نامہ'' میں اقبالؔ نے مندرجہ ذیل الفاظ حلّاج سے بجا طور پر منسوب کیے ہیں:

بے خلشہا زیستن نا زیستن
باید آتش در تہہ یا زیستن!

اس انداز کا عشق تمنائے موت کا مترادف ہے۔[۴]

ان الفاظ کے پس منظر میں سچل سرمست کی کافی دیکھیے:

جو دل پی لے عشق کا جام، وہ دل مست و مست مدام
دین مذاہب رہ گئے کس جا، کفر کہاں اسلام
پنج تن پاک ہیں حامی میرے، حسن حسین امام

دل والوں کو بخش دیا ہے، جنت میں ہی مقام
عشق نے سر دینے والوں کو، پہنائے احرام
روزِ ازل سے دل والوں کا، سولی ہی انجام

سولی پر منصور چڑھایا، نعرۂ حق تھا کلام
سر پہ اُٹھانا بارِ ملامت، عشق کرے بدنام
عقل و خرد بھی ان سے بھاگے، جن کا عشق امام
عشق میں خوشیاں چھن جاتی ہیں، چھن جائے آرام
سائیں کے در کے اور کئی ہیں، سچل جیسے غلام[۵]

بلاشبہ سچل سرمست اپنی فکر فلسفہ اور شاعری میں منصور حلّاج سے بے حد متاثر تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ منصور حلّاج کا اثر عربی، فارسی اور اردو کے تقریباً تمام بڑے شعرا پر گہرا ہے۔ ان کے عقیدۂ وحدت الوجود کی بازگشت جہاں صوفی شعرا کی شاعری میں مسلسل سنائی دیتی ہے وہاں دیگر اساتذہ کے ہاں بھی اس کی خوب صورت مثالیں ملتی ہیں۔ غالبؔ کے اس شعر کو دیکھیے:

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

سچل نے لکھا:

ہر رنگ میں وہ ہے کہ نہاں ہے کہ عیاں ہے
میں دیدۂ اسرار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ

(فارسی سے ترجمہ)

عقیدۂ وحدت الوجود کی ایک سادہ تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ اس نظریے میں حق کو بحر اور خلق کو امواج مانا جاتا ہے۔ سچل نے لکھا:

اس ہادی حق الحق نے ہمیں کیا سیدھی راہ دکھائی تھی
دکھلائی دنیا داری بھی اور ساگر کی گہرائی بھی
پھر حال حقیقت ہم پہ کھلا، یہ بات سمجھ میں تب آئی
یہ موجیں، کثرت وحدت کی، وحدت دریا کی گہرائی

(سرائیکی سے ترجمہ)

منصور حلّاج کا قول ہے:

خالق کو اس کی صنعت سے مت پہچانو
تم سب وقت میں سرگرداں حادثہ ہو
یہ میرا وجود، میرا قول اور میرا ایمان
توحید اور ایمان کو مستحکم کرتے ہیں

سچل اور منصور دونوں علم و کشف کے اس مقام پر تھے جہاں وجدان اور بصیرت ایک ہوجاتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے عہد کی خرابیوں کو دیکھ رہے تھے اور انسانیت کو اس کے مقام سے گرتے ہوئے شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ وہ طاقت وروں کے ان ہتھکنڈوں کو پہچان رہے تھے جو کم زوروں کو محکوم بنانے کے لیے استعمال ہوتے رہے تھے اور عام انسان میں اُس خودی کو بیدار کرنا چاہتے تھے جو اُس کو پستی سے نکلنے میں مدد دے۔

سچا صوفی، عالم اور دانش ور ہر طرح کی عصبیت سے پاک ہوتا ہے اور انسانیت کا علم بردار ہوتا ہے۔ سچل نے جہاں بہ بانگِ دُہل شیخ، ملّا، پیر و حکمران کو تفرقہ پھیلانے والا اور اس اکائی سے دور کرنے والا جو خدا اور اس کے بندے کی ہے، لکھا ہے، وہاں جغرافیائی گروہ بندی کی بھی نفی کی ہے۔ انسانوں سے محبت تمام صوفیۂ کرام کا مسلک ہے لیکن سچل کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ اپنی مادری زبان سندھی کے علاوہ اس خطے میں بولی جانے والی تمام زبانوں سے واقف تھے اور انھوں نے اپنی فکر کا برملا اظہار سندھی، فارسی، سرائیکی اور اردو زبانوں میں کیا۔ ان تمام زبانوں میں آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔ سندھی ان کی مادری زبان تھی، فارسی خیر پور ریاست کی سرکاری زبان اور

اردو ہندوستان کے صوفیۂ کرام کی بدولت پھل پھول رہی تھی۔ سچل سرمست کی فارسی مثنویاں علاحدہ علاحدہ کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ فارسی میں ان کی سات مثنویوں کے علاوہ دیوان آشکار، دیوانِ خدائی غزل بحرِ طویل شائع ہوئے۔ وہ فارسی میں اپنا تخلص آشکارآ اور خدائی استعمال کرتے تھے، باقی زبانوں میں سچل اور سچو تھا:

ہندی ہوں نہ سندھی ہوں، نہ پنجابی نہ دکنی
نے ترکِ طرح دار ہوں، کچھ تم ہی بتاؤ

آج جب ہم اس صوفیٔ باصفا، انسانیت کے علم بردار کو یاد کر رہے ہیں، ہمیں سوچنا ہے کہ کیا عقیدت کا زبانی وکلامی اظہار ہی کافی ہے یا اُس کے پیغام پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ جس عصبیت اور تفرقہ بازی سے پاک ہوکر انسانیت کے ایسے بلند مقام پر پہنچنے کی دعوت حضرت سچل سرمست نے دی تھی جہاں خدا کی صفات اور اُس کے بندے کے اوصاف یکساں ہوجائیں، کیا ہم اُس سے منحرف نہیں ہوگئے۔ سوزِ دل اور عشق کی وہ اتھاہ گہرائی جس جگہ اپنی ذات کی نفی ہوجائے، وہاں سے انسان کی بلندی شروع ہوتی ہے۔ انسانیت کے اسی مقام کی نشان دہی صوفیۂ کرام نے کی ہے اور اس راہ کو اپنانا اُن کو خراج پیش کرنا ہے:

تاجِ سرِ ما ست آشکارآ
آں خاک کہ رہگذرِ عشق است

حواشی

۱۔ منصور حلّاج، دیوان، مترجم مظفر اقبال، (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۰۰ء)، طبع دوم، ص ۷۵
۲۔ ڈاکٹر سیّد نعمان الحق، ابتدائیہ، ایضاً، ص ۳-۲
۳۔ محمد موسیٰ سومرو، بے نظیر شاعر، مشمولہ ماہ نامہ اظہار کراچی، اگست ۱۹۷۹ء، ص ۱۲
۴۔ این میری شمل، اقبال پر حلاّج کا متصوفانہ اثر، مشمولہ حیات و کلام حسین بن منصور حلاّج، مرتبہ شیما مجید اور علامہ جاوید (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۶ء) ص ۷۸

۵۔ آغا سلیم (مترجم)، منتخب کلام سچل سر مست، (خیر پور: سچل چیئر، شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۲۴

مآخذ

۱۔ حلّاج، منصور، دیوان، ترجمہ مظفر اقبال، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۰۰ء، طبع دوم، ص ۷۵

۲۔ سلیم، آغا، (مترجم)، منتخب کلام سچل سر مست، خیر پور: سچل چیئر، شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، ۱۹۹۳ء۔

۳۔ سومرو، محمد موسیٰ، بے نظیر شاعر، مشمولہ ماہ نامہ اظہار کراچی، اگست ۱۹۷۹ء۔

۴۔ شمل، این میری، اقبال پر حلّاج کا متصوفانہ اثر، مشمولہ حیات و کلام حسین بن منصور حلاّج، مرتبہ شیما مجید اور علامہ جاوید، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۶ء۔